ایمن رضا

تاش گھر

پچھلی اقساط کا خلاصہ:

چاند بی بی ایک عمر رسیدہ اور سر سے گنجی خاتون ہیں۔ ۴۷ء کے بٹوارے میں چاند کا خاندان ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آتا ہے۔ چاند کے ابو دین بابا، بھائی بستام، تین پھوپھیاں، ان کی چھ بیٹیاں اور گھر کا ملازم لڑکا رحبان..... اس خاندان کو حویلیاں شہر میں ایک "لکشمی حویلی" الاٹ ہوتی ہے۔ جس کا نام وہ بدل کر "دین حویلی" رکھ لیتے ہیں۔ ایک رات چاند کو حویلی کی دہلیز پر ایک بچی ٹوکری میں پڑی ہوئی ملتی ہے۔ دین بابا کی مخالفت کے باوجود چاند اپنے منگیتر التمش کی اجازت سے اس بچی کو گود لے لیتی ہے اور اس بچی کا نام صندل رکھتی ہے۔

رحبان یہ جانتے ہوئے بھی کہ چاند کی شادی بہت جلد التمش سے ہونے والی ہے دن بدن چاند کی محبت میں گرفتار ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک دن وہ چاند سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ چاند رحبان سے کہتی ہے کہ وہ صرف التمش سے محبت کرتی ہے۔ رحبان کے دل میں التمش کے لیے نفرت بڑھنے لگتی ہے۔ بستام کے مشورے پر رحبان، التمش کو قتل کر دیتا ہے اور دین بابا سے چاند کا ہاتھ مانگتا ہے۔ دین بابا کی التجا پر چاند رحبان کے رشتے کو منظور کرتے ہوئے شادی کی رضامندی دے دیتی ہے۔ لیکن پھر کسی وجہ سے یہ شادی نہیں ہو پاتی.....

۱۹۷۲ء..... اب بیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور صندل سمیت گھر کی باقی لڑکیاں بھی جوان ہو چکی ہے۔ صندل ان سب میں سب سے زیادہ شرارتی ہے۔ عیدگاہ میں افشیں دو خواتین کو صندل کے بارے میں "ناجائز" کا لفظ بولتے ہوئے سنتی ہے تو اُسے بہت دُکھ ہوتا ہے۔

میر زاد اور زویا دونوں بہن بھائی ہیں۔ اپنی خراب طبیعت کی وجہ سے زویا کو حویلیاں شہر میں اپنے بھائی کے ساتھ آنا پڑا ہے۔ ان کا قیام عارضی ہے۔ اس عارضی قیام میں میر زاد کی ملاقات صندل سے ہوتی ہے۔ صندل میر زاد کو دیکھتے ہی دل دے بیٹھتی ہے۔ زویا کو دونوں کا ملنا اور بے تکلف ہونا کچھ زیادہ پسند نہیں آتا..... وہ میر

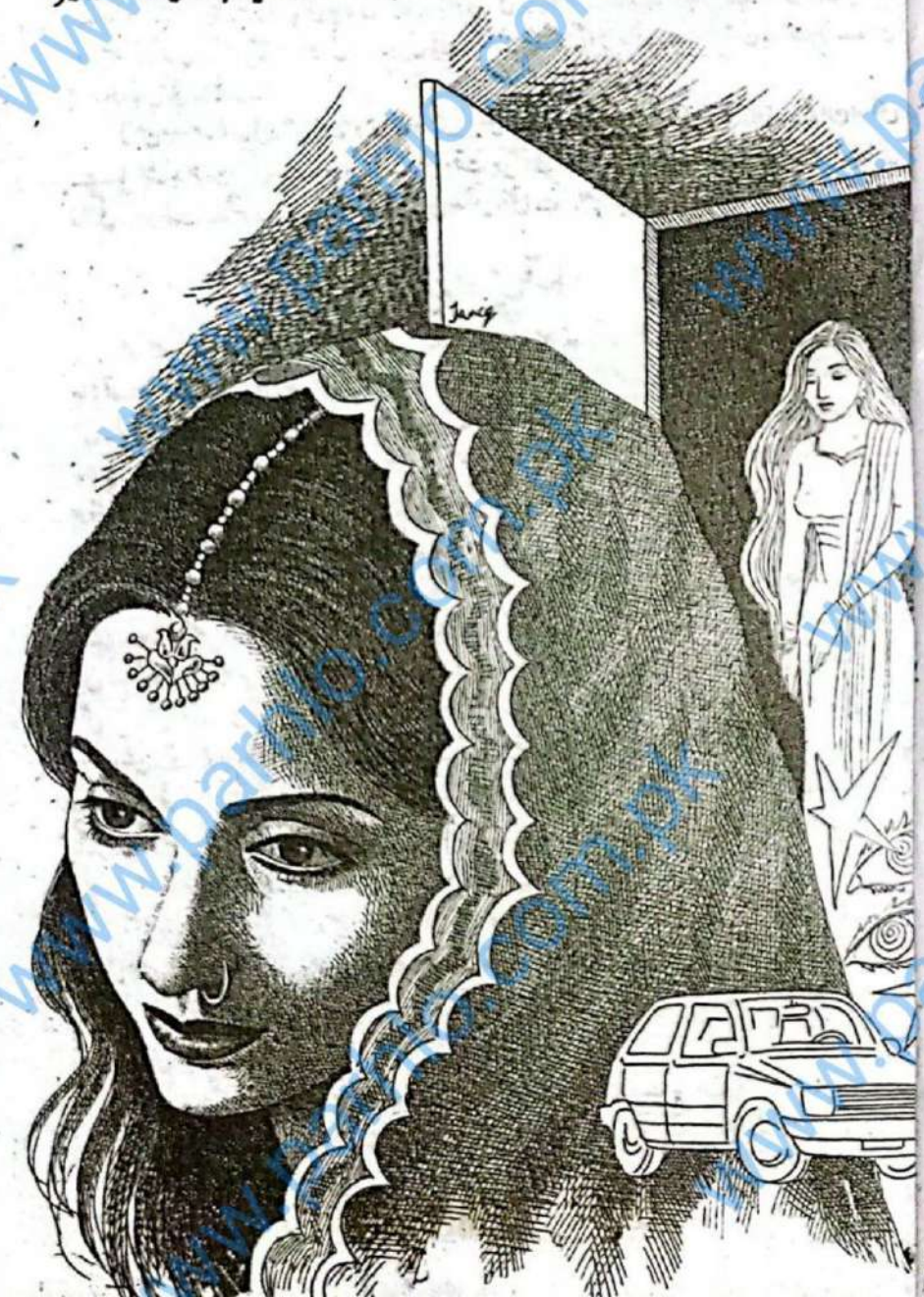

زادکی رضامندی سے میرزادکی نسبت اپنی نند سے طے کردیتی ہے۔ میرزادکواپنی غلطی کااحساس ہوتا ہے، کیونکہ اب وہ بھی صندل کوچاہنے لگا ہے۔

روشن بیگم "مینا گلی" کی مشہور طوائف ہیں۔ وہ بستامی کے خراب معاشی حالات میں اسے مشورہ دیتی ہیں کہ وہ اپنی حویلی کی لڑکیوں کو استعمال کرتے ہوئے اپنی دولت میں اضافہ کرسکتا ہے۔ بستامی ایسا ہی کرتا ہے۔ وہ افشیں کا سودا لاہور کے ایک نواب کے ساتھ دس لاکھ کے عوض طے کردیتا ہے۔ اور صندل کا سودا کشمیری تاجر کمال کے ساتھ طے کردیتا ہے۔ زویا کی چالاکی سے میرزادکی منگنی اس کی نند کے ساتھ ہوجاتی ہے۔ جس بات پر غصہ ہوکر صندل کمال کے رشتے کو منظوری دے دیتی ہے۔ شادی کی تاریخ دی جاتی ہے۔ اور عین بارات والے دن میرزادوہاں پہنچ جاتا ہے۔

(سن ۲۰۰۰ء) کہانی ماضی سے موجودہ دور میں آچکی ہے۔ باریشہ صندل کی بیٹی ہے۔ جواب جوان ہوچکی ہے۔ باریشہ بدمزاج لڑکی ہے۔ چاندنا نو سے ہروقت حویلی کی غربت کی وجہ سے نالاں رہتی ہے۔ اسے اپنی زندگی سے بہت سے شکوے ہیں۔ وہ ہروقت یہ ہی سوچتی رہتی ہے کہ امیر کیسے ہوا جائے۔

پندرہویں قسط

عرصے سے یہ حویلی صرف اور صرف ضروریات کے مطابق چل رہی تھی۔ یہاں خواہشوں کو دفن کر جاتا تھا۔ چاہتوں کی یہاں کوئی قدر نہیں تھی۔ اونچی اڑان بھرنا گناہ تصور کیا جاتا تھا۔ ایسا باریشہ سوچتی تھی۔ کیونکہ جب سے اس نے آنکھ کھولی تھی اس نے یہاں پر زندگی کو رینگتے رینگتے، سسکتے سسکتے گزرتے ہوئے دیکھا تھا۔ بلکہ بعض اوقات تو ایسے حالات آجاتے تھے کہ زندگی مرتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ حویلی کی در و دیوار کی طرح یہاں پر موجود لوگوں کی سانسیں بھی جا ہوچکی تھیں۔ سب چلتے پھرتے مردے تھے۔ جن کا نہ تو حساب کتاب ہوتا تھا اور نہ ہی وہ دفن ہوتے تھے۔

تب حویلی میں صرف ایک عورت زندہ تھی جو باریشہ کو ماضی کی باتیں سنایا کرتی تھی۔ حاجی بوا.....

حاجی بوا باریشہ کو جو بتایا کرتی تھیں اسے اس پر یقین نہیں ہوتا تھا۔ ان کی باتیں پریوں کی کہانیوں کے جیسی تھیں۔ وہ بتاتی تھیں کہ حویلی میں کیسے ماضی میں پیسوں کی ریل پیل ہوا کرتی تھی۔ کتنے نوکر چاکر ہوا کرتے تھے حویلی میں..... سو تو مزدور کام کیا کرتے تھے حویلی میں زردوزی کا..... سارے کمروں میں لکڑی کے چوکھٹوں پر "آر" چلا کرتی تھی۔ اور اس "آر" کی آواز پوری حویلی میں گونجا کرتی تھی۔ ان ملازموں کا اتنا بہت سا کھانا بنا کرتا تھا۔ حویلی کے دو تین کچن تھے۔ جو ہروقت مختلف چیزوں سے بھرے رہتے تھے۔ خشک میوہ جات، پھل، خشک اناج..... یہ سب اتنی قدر ہوا کرتا تھا کہ اس کا کوئی حساب کتاب ہی نہیں رکھا جاتا تھا۔ حویلی کی لڑکیاں سردیوں کی چیزیں الگ سے بنایا کرتی تھیں اور گرمیوں کی الگ سے..... جو کہ منوں کے حساب سے بنا کرتی تھیں۔ پنجیری، پنیاں، مروندا سردیوں کے لیے..... کیسر کا شربت، توت کا مربعہ، آم کا اچار گرمیوں کے لیے.....

وضع داری تو ایسی تھی کہ جو مہمان حویلی میں آتا تھا وہ اس حویلی کی مہمان نوازی کی تعریف کرتا نہیں تھکتا تھا۔ تمام مہمانوں کو پیتل کے برتنوں میں کھانا دیا جاتا تھا۔ بڑے چھوٹے میں فرق نہیں رکھا جاتا تھا۔ امیر غریب میں کوئی امتیاز نہیں تھا۔ حویلی کے دروازے تک آنے والے فقیر اور ڈاکیے کو بھی گوند اور کیسر کا شربت بنا جانے نہیں دیا جاتا تھا۔

باریشہ یہ باتیں سنتی تھی اور حویلی کے اس دور کا تصور کیا کرتی تھی جب یہ سب ہوتا ہوگا۔ جو باتیں حاجی بوا اسے سنایا کرتی تھیں۔ وہ اس کے لیے بہت رنگین تھیں۔ حویلی کے سیاہ ہوتے در و دیوار میں صرف حاجی بوا

باتیں ہی اسے دلکش لگا کرتی تھیں۔ لیکن پھر وہ جب بڑی ہوئی تو اسے محسوس ہوا کہ اس کے ساتھ جھوٹ بولا جا تا رہا ہے۔ اسے لگا کہ حاجی بوا ایک مکار خاتون ہیں۔ جنہوں نے اس کے بچپن کو رنگین بنانے کے لیے ایسے من گھڑت قصے گھڑ لیے ہیں۔ جبکہ حویلی کی حالت دیکھ کر حاجی بوا کی کسی بات پر یقین کرنے کو دل نہیں کیا کرتا تھا۔

"کیا آپ یہ سب مجھے کہانیاں سنا رہی ہیں حاجی بوا....."

"نہیں..... کہانیاں تو نہیں..... تمہیں ایسا کیوں لگا باریشہ..... یہ سب ہوتا رہا ہے حویلی میں....."

"لیکن حویلی کی حالت دیکھ کر لگتا تو نہیں کہ ایسا کبھی رہا ہوگا۔"

"ایسا ہی تھا جیسا میں تمہیں بتا رہی ہوں۔"

"پھر..... کیا ہوا کہ سب ختم ہوگیا؟"

اور اس سوال پر حاجی بوا خاموش ہوجایا کرتی تھیں۔ جس سے باریشہ کی سوچ کو تقویت ملا کرتی تھی کہ یہ جھوٹی عورت بچپن سے اس کے ساتھ جھوٹ بولتی آرہی ہیں۔ اور کتنی چالاکی سے بولتی آرہی ہیں۔

حاجی بوا بے بس تھیں۔ وہ بے چاری بتا نہ سکتی تھیں کہ کیا ہوا کہ سوکھا پھیل گیا۔ سرسبز زمین پر گھر چھا گیا۔ حویلی کی تجوریاں کیسے خالی ہوئیں۔ کیا بتاتیں کہ حویلی کے اپنے ہی بلوائی بن گئے۔ جنہوں نے حویلی کی عزت کو پامال کردیا۔ تار تار کردیا۔ ملازم ایک ایک کرکے کیسے حویلی چھوڑ گئے۔ اور صرف ملازم ہی تو نہیں..... گھر کے افراد بھی..... تہمینہ، شکیلہ، زہرہ..... تینوں چلی گئیں۔ اور ان کی بیٹیاں.....؟ ہائے، حاجی بوا کی تو جان ہوا کرتی تھی ان میں..... کیسی جوان تھیں سب، خوبصورت اتنی کہ دیکھ کر نظریں نہ بھریں۔ نجانے اب کہاں ہوں گی وہ سب..... شاید کہیں زندہ ہوں یا مرگئی ہوں۔ ان کے بارے میں تو خدا جانتا تھا یا بستامی..... جس نے باری باری ان سب کو بیچ دیا تھا۔

حاجی بوا بتاتے ہوئے اکثر رو پڑتی تھیں۔ جس پر باریشہ کو ان کے ایک یا دو فی صد سچا ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ لیکن اس کی تشویش کبھی ختم نہیں ہوسکی تھی۔ اسے حویلی کی بہت سی چیزوں کو لے کر تشویش تھی۔ اس بدحالی کی..... اگر اتنی ہی خوش حالی کبھی تھی جتنی حاجی بوا بتا رہی تھیں تو پھر اتنی بدحالی کیسے آگئی۔ اتنی خوش حالی کے بعد تو بدحالی کو آنے میں بھی وقت لگتا ہے۔ وہ سونے سے بھری ہوئی تجوریاں کون خالی کرکے لے گیا۔؟ وہ ملازم کیا ہوئے۔؟ وہ ریل پیل..... وہ کچن میں انواع اقسام کی چیزوں کا موجود ہونا..... کیا بنا سب کے ساتھ.....؟ یہ ایسے سوال تھے جن کا جواب حاجی بوا کے پاس نہیں تھا۔ اس لیے وہ اسے ہر بار ٹال دیا کرتی تھیں۔ اور وہ بات تو بالکل ہی ٹال دیا کرتی تھی جب وہ چاندنا نو کے گنجے سر کے بارے میں پوچھا کرتی تھی۔

"کیا چاندنا نو شروع سے ہی گنجی ہیں۔؟"

"نہیں..... چاند کے بال تو بہت گھنے ہوا کرتے تھے۔ گھنے، سیاہ اور لمبے..... بہت پیارے لگا کرتے تھے اس پر....."

"پھر..... کہاں گئے وہ گھنے بال.....؟"

"چاند نے بال کٹوا دیے۔"

"کیوں.....؟"

"بس..... ویسے ہی....."

"کون سی عورت اپنے بال کٹواتی ہے وہ بھی سر کی جلد تک..... اور پھر ہر ماہ کاٹتی ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم..... اور تم بھی چاند سے مت پوچھنا....." حاجی بوا نے اسے تاکید کی تھی۔

اس نے کبھی چاندنا نو سے اس بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ اور نہ ہی اپنی ماں کے بارے میں..... اسے بس اتنا ہی معلوم تھا کہ اس کی ماں بہت خوب صورت عورت تھی اور اس کو جنم دینے کے بعد فوت ہوچکی تھی۔ اور اس کا باپ..... اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں پتا تھا۔ اور نہ ہی کوئی کچھ بتاتا تھا۔ کاش وہ اپنے باپ اور اس کے

خاندان کے بارے میں کچھ جانتی ہوتی تو اسی کے پاس واپس چلی جاتی.....

یہاں رہتے ہوئے اسے آہستہ آہستہ یقین ہو چکا تھا کہ گھر کے تمام افراد سنبھا چکے ہیں۔ وہ تین بوڑھیوں میں پرورش پا رہی تھی۔ چاند نانو، آمنہ نانو اور حاجی بوا..... اگر وہ اسکول کالج نہ جایا کرتی تھی وہ بھی ان کی ہی طرح کی ایک بوڑھی بی بی ہوتی..... جوان جسم والی اور بوڑھی روح والی لڑکی..... لیکن کالج جا کر ہی تو اسے پتا چلا تھا کہ زندگی کیا ہوتی ہے۔ حویلی کی چار دیواری کے باہر کی زندگی کتنی حسین ہے اور وہ کیسے دقیانوسی سے ماحول میں رہ رہی ہے۔

گھر کی ساری معیشت چاند سے جڑی ہوئی تھی۔ وہ حکمت کا کام کرتی تھی۔ دوائیاں بناتی تھی۔ جس میں حاجی بوا بھی ان کا ساتھ دیا کرتی تھیں۔ حاجی بوا اونچے نیچے پہاڑوں پر نکل جایا کرتی تھیں۔ جڑی بوٹیاں اکٹھی کرتی تھیں۔ کبھی کبھی باریشہ بھی ان کے ساتھ جایا کرتی تھی۔ پھر ان جڑی بوٹیوں سے چاند دوائیاں بنایا کرتی تھی۔ جڑی بوٹیوں کو صاف کیا جاتا تھا۔ کوٹا جاتا تھا، پیسا جاتا تھا۔ اُبالا جاتا تھا۔ سکھایا جاتا تھا۔ بہت لمبے عمل اور محنت کے بعد یہ کام مکمل ہوتا تھا۔ نانو آمنہ کوئی کام نہیں کرتی تھیں۔ وہ بس حویلی میں کسی ایک جگہ پر بیٹھی رہتی تھیں اور وہیں بیٹھے بیٹھے سارا دن گزار دیا کرتی تھیں۔

صحن میں ایک چٹائی ہر وقت بچھی رہتی تھی جس پر کچھ نہ کچھ سوکھتا رہتا تھا۔ کوئی جڑی بوٹی یا جڑی بوٹیوں سے بنی ہوئیں چھوٹی بڑی گولیاں..... ویسے تو دائیں بائیں کی عورتیں جب دل کرے حویلی میں آجایا کرتی تھیں۔ لیکن شام کے وقت زیادہ رش لگا کرتا تھا۔ عورتیں اپنے مسئلے بیان کیا کرتی تھی اور چاند نانو سے دوائی لے لیا کرتی تھیں۔ یہ کام سردیوں کی دھوپ جیسا تھا۔ اس میں تنگی ہی تنگی تھی۔ اس کام سے کبھی اتنی کمائی نہیں ہو سکی تھی کہ وہ امیری کے دن دیکھ سکتی۔

پھر حاجی بوا کا انتقال ہو گیا اور حویلی میں بس وہ تینوں رہ گئیں۔

حاجی بوا کا کام باریشہ کے ذمے آ گیا۔ چونکہ وہ حاجی بوا کے ساتھ جایا کرتی تھی اس لیے اسے جڑی بوٹیوں کی پہچان تھی۔ اب وہ ہفتے دو ہفتے بعد جڑی بوٹیوں کو توڑ لایا کرتی تھی۔ اس کے لیے شاید زندگی اسی طرح گزرتی رہتی..... لیکن جوان ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے اندر کا انتشار بڑھنے لگا تھا۔ خواہشیں جنم لینے لگی تھیں اور چونکہ ہر خواہش پیسے سے جڑی تھی اور پیسہ اس حویلی میں کم تھا تو اسی لیے اس کے انتشار نے اس کے اندر بدمزاجی کو جنم دیا۔ اسے خود نہ پتا چلا تھا کہ وہ کب بدتمیزی سے اپنی روح اور ذہنیت کو بھی بدمزاج بنا چکی ہے۔

لیکن پھر بستامی بابا نے اس کی ساری زندگی کو بدل کر رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

وہ اس دن دیر تک سوتی رہی تھی۔ کالج سے چھٹی تھی۔ اس لیے اس کا جلدی اُٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن پھر اسے اُٹھنا پڑا..... اس نے اپنی حویلی کے باہر گاڑیوں کے رکنے کی آواز سنی تھی۔ پھر کسی نے ان کی حویلی کے دروازے پر دستک دی تھی۔ وہ جلدی سے کمرے سے نکل کر باہر دالان میں آئی تھی۔ اس نے نیچے جھانک کر دیکھا تھا۔ چاند نانو ایک آدمی کو اندر لا رہی تھی۔ ڈھلتی عمر کا وہ آدمی اس قدر رعب داب والا تھا کہ باریشہ اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔ اس آدمی نے سفید لباس پہنا ہوا تھا۔ گلے میں سونے کی موٹی چین تھی اور کلائی میں چمچماتی ہوئی گھڑی.....

چاند نانو اسے لے کر اندر کمرے میں چلی گئی تھیں اور کمرے کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔

باریشہ جلدی سے نیچے اُتری تھی۔ اس کی چھٹی حس نے اسے الارم دیا تھا کہ ضرور حویلی میں کچھ اہم ہونے والا ہے جس کے بارے میں اسے ضرور معلوم ہونا چاہیے۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ یہ آدمی کون ہے۔ اتنے امیر کبیر آدمی کا ان سے کیا تعلق ہو سکتا ہے کہ چاند نانو اسے لے کر کمرے میں چلی گئی ہیں۔ اس نے تو اپنی زندگی میں یہاں کسی مرد کو آتے نہ دیکھا تھا۔

کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اس نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اسے کچھ زیادہ سمجھ میں

آیا تھا۔ بہت نرم انداز میں گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ حویلی سے باہر نکلی تھی۔ باہر دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ ایک تو اس آدمی کی تھی جو اندر موجود تھا۔ اور ایک جیپ تھی۔ جس کے اندر دو گارڈز بیٹھے ہوئے تھے۔

"اللہ..... یہ کون ہے۔ جو اپنے ساتھ گارڈز لیے گھومتا ہے۔" وہ دل ہی دل میں اندر بیٹھے آدمی پر رشک کر رہی تھی۔

"یہ..... کون صاحب ہیں جو اندر گئے ہیں۔" اس نے حویلی کے دروازے پر کھڑے گارڈ سے پوچھا تھا۔

"سر بستامی....." گارڈ نے اسے بتایا تھا اور باریشہ کے چودہ طبق روشن ہوئے تھے۔

"بستامی آئے ہیں۔ نانو کے بھائی.....؟"

"مجھے رشتے کا نہیں معلوم..... لیکن وہ کچھ ضروری بات کرنے آئے ہیں۔"

"کیا بات.....؟"

"اس کا مجھے علم نہیں....."

"میں جانتی ہوں۔" اس نے جیسے خود سے کہا تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ چاند نانو کے بھائی ان سے صلح کرنے کے لیے آ گئے ہیں۔ وہ بہت خوش ہو گئی تھی۔ اب وہ جلد ہی اسلام آباد شفٹ ہو جائیں گے۔ سوئمنگ پول والے گھر میں..... خوشی خوشی وہ اندر آئی تھی اور کچن میں کھڑے ہو کر بستامی بابا کے باہر جانے کا انتظار کرنے لگی تھی۔

بستامی بابا تھوڑی دیر میں وہاں سے چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے فوراً بعد وہ چاند نانو کے سر پر ہوئی تھی۔

"نو نانو..... کیا صلح ہو گئی آپ کی، آپ کے بھائی سے.....؟" اس نے چہکتے ہوئے پوچھا تھا۔ چاند نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"تم سے کس نے کہا کہ وہ صلح کرنے آیا تھا۔؟"

"تو کس لیے آئے تھے۔؟"

"ہمیں باغ والا راستہ بند کرنا ہوگا۔"

"کیوں.....؟ اس حویلی میں ایک ہی تو تفریح ہے باغ میں چلے جانے کی..... اب وہ راستہ کیوں بند ہونے جا رہا ہے۔"

"باغ بستامی کا ہے۔ اور وہ اپنا باغ کسی کو بیچ رہا ہے۔ اس لیے اب ہمیں باغ کا راستہ بند کرنا ہوگا۔ دو تین دن میں یہ کام ہو جائے گا۔"

چاند کہتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اور باریشہ پر مایوسی کے بادل چھا گئے تھے۔

"اللہ..... کتنی پاگل ہوں میں..... دو منٹ میں میں نے کیا کیا سوچ لیا تھا۔" وہ سخت مایوس ہوئی تھی۔ سوئمنگ پول والا گھر تو دور وہ تو اب اپنی حویلی کے ساتھ والے باغ سے بھی محروم ہونے والی تھی۔

اس دن اس نے نماز پڑھی تھی اور خدا سے دعا کی تھی کہ چاند نانو کی اپنے بھائی سے صلح ہو جائے۔ لیکن دعا کے ساتھ ہی اسے ادراک تھا کہ ایسا ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ چاند کسی سے ناراض نہیں ہوتی تھیں۔ اب اگر وہ اپنے بھائی سے ناراض تھیں تو یقیناً وہ اس ناراضی کو ساری زندگی چلانے والی تھیں۔

"کیا وہ دوبارہ آئیں گے۔؟" رات میں سونے سے پہلے اس نے چاند سے پوچھا تھا۔

"کون.....؟"

"آپ کے بھائی.....؟"

"دو تین دن کے بعد آئے گا۔ دروازہ بند ہوگا۔ اور باقی کے معاملات بھی طے پائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ سو جائیں اب..... مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔"

اور باقی کی رات میں سونے کے بجائے وہ جاگتی رہی تھی۔ سوچتی رہی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔

☆☆☆

تین دن کے بعد ایک بار پھر سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ منظر پہلے والا ہی تھا۔ دو گاڑیاں ان کی حویلی کے باہر آ کر رکی تھیں۔ بارعب سے بستامی بابا کو چاند نانو اندر کمرے میں لے گئی تھیں۔ اور مزدور باغ کی طرف کھلنے والا دروازہ اینٹوں سے بند کرنے لگے تھے۔

باریشہ نے وہی کیا تھا جو وہ پچھلے دو دنوں میں سوچ چکی تھی۔

کچن سے کین کی ٹوکری پکڑ کر وہ چپکے سے حویلی سے باہر نکلی تھی۔ حویلی کے دائیں بائیں دو راستے جاتے تھے۔ ایک راستہ بنسواڑی جنگل کو جاتا تھا۔ اور دوسرا شہر کی طرف..... وہ جانتی تھی کہ بستامی بابا کا بنسواڑی علاقے میں کیا کام..... اس لیے وہ شہر والے راستے پر گئی تھی۔ کافی آگے جانے کے بعد وہ ایک ڈھلوان کی آڑ میں ہو کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اپنی ٹوکری کو اس نے قالتوں جڑی بوٹیوں سے جلدی سے بھر لیا تھا۔ اور چھپ کر کھڑی وہاں سے بستامی کی کار کے گزرنے کا انتظار کرنے لگی تھی۔

کوئی گھنٹہ بھر انتظار کے بعد اسے دُور سے سڑک نما پگڈنڈی پر دھول اُٹھتی محسوس ہوئی تھی۔ مطلب بستامی بابا کی گاڑی نزدیک آ رہی تھی اور جب وہ کافی نزدیک آ گئی تو باریشہ ٹوکری پکڑے اوپر سڑک پر آئی تھی اور سڑک کے عین درمیان پہنچ کر آہ بھرتے ہوئے گر جانے والے انداز میں بیٹھ گئی تھی۔ نیچے گر کر وہ جلدی سے اپنا پاؤں پکڑ کر ہائے ہائے کرنے لگی تھی۔

بستامی کی کار رکی تھی۔ اندر سے ڈرائیور نکل کر باہر آیا تھا۔

"کیا ہوا ہے لڑکی.....؟"

"میں گر گئی ہوں۔ پاؤں پر موچ آ گئی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ سائیڈ پر ہو جاؤ ذرا..... تیرے مالک نے جلدی جانا ہے۔"

"بھیا! ایک کام کرو..... مجھے میرے گھر تک چھوڑ دو۔" اس نے منت بھرے انداز میں کہا تھا۔

ڈرائیور نے اچنبھے سے اسے دیکھا تھا۔

"زیادہ دور نہیں ہے۔ یہ پیچھے ہی ہے۔ اپنے مالک سے پوچھ لو..... مجھ سے تو ایک قدم نہیں چلا جائے گا۔"

باریشہ کے منت بھرے انداز پر ڈرائیور اپنے مالک کے پاس گیا تھا۔ بستامی کے پاس..... اور پھر وہاں سے ہدایت لے کر اس تک آیا تھا۔

"اٹھو..... تمہیں تمہارے گھر تک چھوڑ دیتے ہیں۔"

"کیا سچ میں.....؟"

"ہاں..... اُٹھنے کی کوشش کرو....."

"مجھے سہارا دو....."

اور ڈرائیور کا سہارا لے کر وہ ایسے بناوٹی انداز میں چلنے لگی تھی جیسے واقعی ہی میں موچ آ گئی ہو۔ کار تک پہنچ کر اس سے پہلے کہ ڈرائیور آگے والی خالی سیٹ کا دروازہ کھولتا اس نے جلدی سے پیچھے والی سیٹ کا دروازہ کھول لیا تھا۔ جہاں بستامی بیٹھا ہوا ہے۔ ڈرائیور نے بستامی بابا کو دیکھا تھا۔

"کوئی بات نہیں....." بستامی بابا نے ڈرائیور سے کہا تھا۔ "بیٹھ جاؤ لڑکی..... یہاں ہی بیٹھ جاؤ....."

"شکریہ....." وہ بستامی بابا کے ساتھ اندر بیٹھ گئی تھی۔ اور بستامی کو قریب سے دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔ ان کی شخصیت تو قریب سے اور بھی زیادہ سحر انگیز تھی۔ لیکن ان کی شخصیت میں ایک منفی اثر بھی موجود تھا۔ باریشہ نے بہت بار ہندو مذہب میں راون کا سنا ہوا تھا۔ اور بستامی کو دیکھ کر اسے وہی راون کی یاد آئی تھی۔ بستامی بابا کی شخصیت میں سب

جھلکتا تھا۔ رعب، دولت، عقل، شعور، نفاست..... اور اس کے ساتھ ساتھ غرور بھی، گھمنڈ بھی.....

"کہاں جانا ہے تمہیں....."

"یہ..... تھوڑا سا پیچھے ہی گھر ہے میرا....."

"ڈرائیور گاڑی پیچھے لو....."

"جی بہتر....." گاڑی ریورس ہو کر واپس دین حویلی کی طرف جانے لگی تھی۔

"یہ ٹوکری میں کیا ہے۔؟" بستامی کی نظر اس کی ٹوکری پر گئی تھی۔

"جڑی بوٹیاں ہیں۔ اپنی نانو کے لیے توڑنے گئی تھی۔"

"تم..... دین حویلی سے ہو۔؟" بستامی نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"جی..... دین حویلی..... چاند میری نانو ہیں۔"

"تم صندل کی بیٹی ہو؟" اب کے بستامی مزید حیران ہوا تھا۔ اس نے اوپر سے نیچے تک باریشہ کو دیکھا تھا۔

"جی..... آپ جانتے ہیں میری ماں کو.....؟"

"بہت اچھے سے.....؟"

"لیکن میں انہیں نہیں جانتی ہوں۔ وہ میری پیدائش کے بعد فوت ہو چکی تھیں۔ میں تو اپنے کسی رشتے دار کو نہیں جانتی ہوں۔ سنا ہے کہ میری نانو ایک بھائی ہیں۔ میں تو کبھی ان سے بھی نہیں ملی ہوں۔" وہ بناوٹی بھولپن سے بول رہی تھی۔ بستامی یک ٹک اسے دیکھتا جا رہا تھا۔

"سنا ہے کہ وہ بہت امیر لوگ ہیں۔ لیکن کیا فائدہ..... اگر وہ اپنی غریب بہن کی ہی کچھ مدد نہ کر سکتے تو....."

"تم ان کے بارے میں کیسے جانتی ہو۔؟"

"میری دوست کا بھائی اسلام آباد آتا جاتا ہے۔ اسی نے بتایا کہ ان کا بہت بڑا گھر ہے وہاں پر..... بہت امیر ہیں وہ لوگ..... نوکر چاکر بہت ہیں۔ بہت سی نئی نئی گاڑیاں ہیں۔ اور اسلام آباد میں ایک اونچی بلڈنگ بھی بنوا رہے ہیں۔"

"تمہاری نانو کا وہ بھائی میں ہوں۔" بستامی نے انکشاف کیا تھا۔ اور پہلے سے سب کچھ جانتی باریشہ کو اپنے چہرے پر حیرت لانے میں دقت ہوئی تھی۔

"کیا سچ میں.....؟"

"ہاں..... میں ہی ہوں تمہاری نانو کا بھائی..... بستامی....."

"مجھے معاف کر دیں۔ میں آپ ہی کے سامنے آپ کی برائیاں کر رہی تھی۔"

"کوئی بات نہیں....."

"مجھے بہت اچھا لگا آپ سے مل کر..... اور تب اور بھی اچھا لگے اگر آپ اپنی بہن سے صلح کر لیں تو....."

"میں تو صلح کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن تمہاری نانو میری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی ہے۔"

"کیوں....."

"وہ سب میں تمہیں نہیں سمجھا سکتا ہوں۔"

"میں نانو چاند کو سمجھانے کی کوشش کروں گی۔"

"ڈرائیور گاڑی روک دو....." بستامی نے ڈرائیور سے کہا تھا۔ گاڑی رکی گئی تھی۔

"حویلی کچھ فاصلے پر ہے۔ تم یہاں ہی اُتر جاؤ..... تمہاری نانو کو پتا چل گیا کہ تم میرے ساتھ آئی ہو تو وہ تمہیں قتل کر دیں گی۔"

"اتنی نفرت کرتی ہیں وہ آپ سے.....؟"

"ٹھیک ہے۔ شکریہ آپ کا..... وہ کار میں سے اترنے لگی تھی۔ پھر کچھ خیال آنے پر اس نے کہا تھا۔
"آپ کا کانٹیکٹ نمبر مل سکتا ہے کیا۔؟"
"کیوں نہیں..... ڈرائیور لڑکی کو کارڈ دو....." بستامی کے ڈرائیور نے اسے بستامی کا وزٹنگ کارڈ دیا تھا۔
"میرا نام باریشہ ہے۔" کارڈ پکڑتے ہوئے اس نے کہا تھا۔
"تمہارا جب دل کرے تم مجھے فون کر سکتی ہوں باریشہ..... بلکہ ملنے بھی آسکتی ہو۔"
"کیا سچ میں.....؟" وہ بے حد خوش ہوئی تھی۔ بستامی بابا کتنے اچھے تھے۔
"بالکل سچ..... لیکن ایک بات یاد رکھنا..... جب بھی مجھے ملنے آؤ گی پیچھے ساری کشتیاں جلا کر آنا کیونکہ مجھ سے ملنے کے بعد تمہاری نانو ویسے بھی تمہیں جان سے مار دیں گی۔"
"ٹھیک ہے۔" کارڈ پکڑے وہ کار میں سے نیچے اتر آئی تھی۔
"چلو ڈرائیو....." گاڑی واپس موڑی گئی تھی۔ وہ دور تک جاتی بستامی بابا کی گاڑی کو دیکھتی رہی تھی۔

☆☆☆

کارڈ پکڑ کر وہ ایسے خوش ہوئی تھی جیسے اس کے ہاتھ کوئی خزانہ لگ گیا ہو۔ اسے ایسے لگنے لگا تھا کہ بس اب اس کی زندگی بدلنے والی ہے۔ سب کچھ ٹھیک ہونے والا ہے۔ زندگی کو لے کر اس کے سارے شکوے ختم ہونے والے ہیں۔
"کہاں سے آرہی ہو باریشہ.....؟"
"میں جڑی بوٹیاں توڑنے گئی تھی۔"
"لیکن میں نے تو تم سے کچھ نہیں منگوایا تھا۔"
"میں عادتاً چلی گئی تھی۔" اس نے توقف کیا تھا پھر پوچھا تھا۔ "آج آپ کے بھائی کیا کرنے آئے تھے؟"
"بتایا تو تھا کہ باغ والا راستہ بند کروانا تھا۔ وہ بند ہو چکا ہے اب تم وہاں نہیں جا سکتی ہو۔"
"کوئی بات نہیں..... اب وہاں جانے کی طلب بھی نہیں مجھے....." نوکری چاند کو پکڑا کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اور چاند حیرت سے نوکری کو دیکھنے لگی تھی جس میں گھاس پھونس اکٹھا تھا۔
کمرے میں آکر کارڈ کو اس نے اپنی الماری میں چھپا دیا تھا۔ اور سوچنے لگی تھی کہ اب آگے اسے کیا کرنا ہے۔ آنے والے دن بہت پرجوش تھے۔ وہ ہر لمحہ مستقبل کے خواب دیکھ رہی تھی۔ بستامی بابا کا بڑا سا گھر، نوکر چاکر، گاڑیاں، پیسے کی ریل پیل..... یہ سب ہی تو اسے چاہیے تھا۔ جو اس کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ چاند نانو کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھی اور وہ حویلی میں رہنا نہیں چاہتی تھی۔ پھر بستامی بابا نے اسے کہا تھا کہ وہ جب بھی ان کے پاس آئے ساری کشتیاں جلا کر آئے۔ بہت دن سوچتے رہنے کے بعد اس نے چاند نانو سے حتمی بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔
"کیا اب بھی آپ اس حویلی کو بیچنے پر راضی نہیں ہیں؟"
"تمہارے ذہن میں بیٹھے بیٹھے کیا خیال آتے ہیں باریشہ.....؟"
"نہیں..... میں آپ سے آخری بار پوچھ رہی ہوں۔"
"نہیں..... ہرگز نہیں..... میں اس حویلی کو کبھی نہیں بیچوں گی۔"
"ٹھیک ہے۔ اب جو مجھے کرنا ہوگا میں کر لوں گی۔"
دھمکی دے کر وہ دھپ دھپ سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ چاند نے اس کی دھمکی کی زیادہ پروا نہیں کی تھی۔ وہ ہر لڑائی کی اختتام پر ایسی ہی بات کرتی تھی۔ لیکن چاند نہیں جانتی تھی کہ اس بار باریشہ کے ہاتھ میں حکم کا اکا ہے۔ جو ساری کا پلٹ کر رکھ دے گا۔

"نانو چاند.....
میں نے بہت کوشش کی کہ اس زندگی کے ساتھ سمجھوتا کر سکوں جو آپ میرے لیے ترتیب دیتے آرہی ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ میں نے بہت بار آپ کو اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس میں بھی ناکام رہی..... آپ چاہتی تھیں کہ میں آپ کی مرضی سے زندگی گزاروں، میری سانسوں پر بھی آپ کی حکمرانی ہو۔ میں ہر کام آپ کی اجازت سے کروں، لیکن ایسا ہونا ناممکن ہے۔ میرے اندر ایک جوان روح ہے۔ میں بوڑھی روح کے ساتھ سمجھوتا نہیں کر سکتی ہوں۔ اس لیے میں نے اپنی زندگی کا ایک فیصلہ لے لیا ہے۔ آپ کے ساتھ رہتے ہوئے میں کب سے اس موقع کی تلاش میں تھی۔ اور خدا نے اب مجھے یہ موقع دے دیا ہے۔ اس لیے میں اس موقع کو ضائع نہیں ہونے دینا چاہتی ہوں۔ میں آپ کی حویلی چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے..... اور ساتھ آپ کو بھی چھوڑ رہی ہوں۔ آپ میری سگی نانو نہیں ہیں۔ لیکن میری پرورش پر جو آپ کا خرچا ہوا ہے وہ میں آپ کو جلد لٹا دوں گی۔
میں کہاں جا رہی ہوں اس سے آپ کا کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ میں جہاں جا رہی ہوں وہاں بہت خوش رہوں گی۔ پلیز مجھے ڈھونڈنے کی کوشش مت کیجیے گا۔
آپ کے مظالم سے تنگ
باریشہ
چاند نے خط پڑھا تھا اور پھر اگلے ہی لمحے بے ہوش ہو کر بیڈ پر گر گئی تھی۔

☆☆☆

رات کی تاریکی میں وہ حویلیاں شہر سے نکلی تھی۔ اپنے چند کپڑوں اور کچھ نقد رقم کے ساتھ..... ارشادی بابا سے کہہ کر اس نے اپنے لیے ایک تانگے والے کا بندوبست کروا لیا تھا۔ ارشادی بابا نے اس کی مدد کی تھی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اب یہ لڑکی رکنے والی نہیں..... پہلے تو انہوں نے اسے بہت سمجھایا تھا کہ وہ چاند اور آمنہ کو چھوڑ کر نہ جائے۔ لیکن جب باریشہ کا فیصلہ اٹل رہا تو انہوں نے خود اس کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ باغی لڑکی بغاوت کرتے وقت کسی مشکل کا شکار ہوتی اس سے بہتر تھا کہ وہ خیر خیریت سے اپنی منزل تک پہنچ جاتی.....
تانگے والے نے اسے حویلیاں کے ریلوے اسٹیشن پر چھوڑ دیا تھا۔ وہاں سے وہ پنڈی تک ٹرین میں آئی تھی اور پھر اسلام آباد جانے کے لیے اس نے ایک ٹیکسی لے لی تھی۔ اس دوران بستامی بابا کا دیا ہوا کارڈ اس کے ہاتھ میں دبا رہا تھا۔ جو اس نے کسی قیمتی ہیرے کی طرح مٹھی میں دبایا ہوا تھا کہ وہ کہیں گم نہ ہو جائے۔ اس نے اس پر موجود پتا اور فون نمبر ازبر کر لیا تھا۔ حویلیاں شہر سے نکلنے اور اسلام آباد پہنچنے تک جو اس پر شرمندگی طاری تھی وہ رخصت ہو چکی تھی۔ ایک پچھتاوا تھا کہ وہ چاند نانو کو اکیلا چھوڑ آئی ہے وہ اسلام آباد کے ٹھنڈے میٹھے موسم میں گم ہو گیا تھا۔
"کیا آپ نے یہاں ہی اترنا ہے۔؟" ٹیکسی ڈرائیور نے اس سے پوچھا تھا۔
"کارڈ پر لکھا ہوا پتا یہ ہی ہے۔؟"
"جی..... یہ ہے۔"
"ٹھیک ہے۔" وہ ٹیکسی سے نیچے اتری تھی۔ اس نے ٹیکسی والے کو پیسے ادا کیے تھے۔ اور پھر وہ اس گھر کو دیکھنے لگی تھی جس کے باہر وہ اتری تھی۔ گیٹ کے ساتھ والے ستون پر بستامی بابا کا نام لکھا ہوا تھا۔ گھر کی بیرونی دیوار کافی اونچی اور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ جس سے گھر کی کل اراضی کا اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ دیوار کے ساتھ ساتھ بہت سی اقسام کے پودے لگے ہوئے تھے۔ جن کی کانٹ چھانٹ ماہر ہاتھوں نے کی ہوئی تھی۔ باریشہ تو کتنی دیر باہر کی نفاست اور سجاوٹ کو ہی دیکھتی رہی تھی۔ پھر ہمت کرتے ہوئے اس نے گیٹ کے

www.parhlo.com.pk

"بہت زیادہ....."

"ٹھیک ہے۔ شکریہ آپ کا....." وہ کار میں سے اُترنے لگی تھی۔ پھر کچھ خیال آنے پر اس نے کہا تھا۔

"آپ کا کانٹیکٹ نمبر مل سکتا ہے کیا۔؟"

"کیوں نہیں..... ڈرائیور لڑکی کو کارڈ دو....." بستامی کے ڈرائیور نے اسے بستامی کا وزٹنگ کارڈ دیا تھا۔

"میرا نام باریشہ ہے۔" کارڈ پکڑتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"تمہارا جب دل کرے تم مجھے فون کر سکتی ہوں باریشہ..... بلکہ ملنے بھی آسکتی ہو۔"

"کیا سچ میں.....؟" وہ بے حد خوش ہوئی تھی۔ بستامی بابا کتنے اچھے تھے۔

"بالکل سچ..... لیکن ایک بات یاد رکھنا..... جب بھی مجھے ملنے آؤ گی پیچھے ساری کشتیاں جلا کر آنا۔ کیونکہ مجھ سے ملنے کے بعد تمہاری نانو ویسے بھی تمہیں جان سے مار دیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔" کارڈ پکڑے وہ کار میں سے نیچے اُتر آئی تھی۔

"چلو ڈرائیو....." گاڑی واپس موڑی گئی تھی۔ وہ دُور تک جاتی بستامی بابا کی گاڑی کو دیکھتی رہی تھی۔

☆☆☆

کارڈ پکڑ کر وہ ایسے خوش ہوئی تھی جیسے اس کے ہاتھ کوئی خزانہ لگ گیا ہو۔ اسے ایسے لگنے لگا تھا کہ بس اب اس زندگی بدلنے والی ہے۔ سب کچھ ٹھیک ہونے والا ہے۔ زندگی کو لے کر اس کے سارے شکوے ختم ہونے والے ہیں۔

"کہاں سے آرہی ہو باریشہ.....؟"

"میں جڑی بوٹیاں توڑنے گئی تھی۔"

"لیکن میں نے تو تم سے کچھ نہیں منگوایا تھا۔"

"میں عادتاً چلی گئی تھی۔" اس نے توقف کیا تھا پھر پوچھا تھا۔ "آج آپ کے بھائی کیا کرنے آئے تھے؟"

"بتایا تو تھا کہ باغ والا راستہ بند کروانا تھا۔ وہ بند ہو چکا ہے اب تم وہاں نہیں جا سکتی ہو۔"

"کوئی بات نہیں..... اب وہاں جانے کی طلب بھی نہیں مجھے....." ٹوکری چاند کو پکڑا کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اور چاند حیرت سے ٹوکری کو دیکھنے لگی تھی جس میں گھاس پھونس اکٹھا تھا۔

کمرے میں آکر کارڈ کو اس نے اپنی الماری میں چھپا دیا تھا۔ اور سوچنے لگی تھی کہ اب آگے اسے کیا کرنا ہے۔ آنے والے دن بہت پرجوش تھے۔ وہ ہر لمحہ مستقبل کے خواب دیکھ رہی تھی۔ بستامی بابا کا بڑا سا گھر، نوکر چاکر، گاڑیاں، پیسے کی ریل پیل..... یہ سب ہی تو اسے چاہیے تھا۔ جو اس کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ چاند نانو وہاں جانا نہیں چاہتی تھیں اور وہ حویلی میں رہنا نہیں چاہتی تھی۔ پھر بستامی بابا نے اسے کہا تھا کہ وہ جب بھی ان کے پاس آئے ساری کشتیاں جلا کر آئے۔ بہت دن سوچتے رہنے کے بعد اس نے چاند نانو سے حتمی بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"کیا اب بھی آپ اس حویلی کو بیچنے پر راضی نہیں ہیں؟"

"تمہارے ذہن میں بیٹھے بیٹھے کیا خیال آتے ہیں باریشہ.....؟"

"نہیں..... میں آپ سے آخری بار پوچھ رہی ہوں۔"

"نہیں..... ہرگز نہیں..... میں اس حویلی کو کبھی نہیں بیچوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ اب جو مجھے کرنا ہوگا میں کر لوں گی۔"

دھمکی دے کر وہ دھپ دھپ سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ چاند نے اس کی دھمکی کی زیادہ پروا نہیں کی تھی۔ وہ ہر لڑائی کی اختتام پر ایسی ہی بات کرتی تھی۔ لیکن چاند نہیں جانتی تھی کہ اس بار باریشہ کے ہاتھ میں حکم کا اکا ہے۔ جو ساری کا یا پلٹ کر رکھ دے گا۔

"نانو چاند.....

میں نے بہت کوشش کی کہ اس زندگی کے ساتھ سمجھوتا کر سکوں جو آپ میرے لیے ترتیب دیتے آرہی ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ میں نے بہت بار آپ کو اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس میں بھی ناکام رہی..... آپ چاہتی تھیں کہ میں آپ کی مرضی سے زندگی گزاروں، میری سانسوں پر بھی آپ کی حکمرانی ہو۔ میں ہر کام آپ کی اجازت سے کروں، لیکن ایسا ہونا ناممکن ہے۔ میرے اندر ایک جوان روح ہے۔ میں بوڑھی روح کے ساتھ سمجھوتا نہیں کر سکتی ہوں۔ اس لیے میں نے اپنی زندگی کا ایک فیصلہ لے لیا ہے۔ آپ کے ساتھ رہتے ہوئے میں کب سے اس موقع کی تلاش میں تھی۔ اور خدا نے اب مجھے یہ موقع دے دیا ہے۔ اس لیے میں اس موقع کو ضائع نہیں ہونے دینا چاہتی ہوں۔ میں آپ کی حویلی چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے..... اور ساتھ آپ کو بھی چھوڑ رہی ہوں۔ آپ میری سگی نانو نہیں ہیں۔ لیکن میری پرورش پر جو آپ کا خرچا ہوا ہے وہ میں آپ کو جلد لٹا دوں گی۔

میں کہاں جا رہی ہوں اس سے آپ کا کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ میں جہاں جا رہی ہوں وہاں بہت خوش رہوں گی۔ پلیز مجھے ڈھونڈنے کی کوشش مت کیجیے گا۔

آپ کے مظالم سے تنگ

باریشہ

چاند نے خط پڑھا تھا اور پھر اگلے ہی لمحے بے ہوش ہو کر بیڈ پر گر گئی تھی۔

☆☆☆

رات کی تاریکی میں وہ حویلیاں شہر سے نکلی تھی۔ اپنے چند کپڑوں اور کچھ نقد رقم کے ساتھ..... ارشادی بابا سے کہہ کر اس نے اپنے لیے ایک تانگے والے کا بندوبست کروا لیا تھا۔ ارشادی بابا نے اس کی مدد کی تھی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اب یہ لڑکی رکنے والی نہیں..... پہلے تو انہوں نے اسے بہت سمجھایا تھا کہ وہ چاند اور آمنہ کو چھوڑ کر نہ جائے۔ لیکن جب باریشہ کا فیصلہ اٹل رہا تو انہوں نے خود اس کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ باغی لڑکی بغاوت کرتے وقت کسی مشکل کا شکار ہوتی اس سے بہتر تھا کہ وہ خیر خیریت سے اپنی منزل تک پہنچ جاتی.....

تانگے والے نے اسے حویلیاں کے ریلوے اسٹیشن پر چھوڑ دیا تھا۔ وہاں سے وہ پنڈی تک ٹرین میں آئی تھی اور پھر اسلام آباد جانے کے لیے اس نے ایک ٹیکسی لے لی تھی۔ اس دوران بستامی بابا کا دیا ہوا کارڈ اس کے ہاتھ میں دبا رہا تھا۔ جو اس نے کسی قیمتی ہیرے کی طرح مٹھی میں دبایا ہوا تھا کہ وہ کہیں گم نہ ہو جائے۔ اس نے اس پر موجود پتا اور فون نمبر ازبر کر لیا تھا۔ حویلیاں شہر سے نکلنے اور اسلام آباد پہنچنے تک جو اس پر شرمندگی طاری تھی وہ رخصت ہو چکی تھی۔ ایک پچھتاوا تھا کہ وہ چاند نانو کو اکیلا چھوڑ آئی ہے وہ اسلام آباد کے ٹھنڈے میٹھے موسم میں گم ہو گیا تھا۔

"کیا آپ نے یہاں ہی اُترنا ہے۔؟" ٹیکسی ڈرائیور نے اس سے پوچھا تھا۔

"کارڈ پر لکھا ہوا پتا یہ ہی ہے۔؟"

"جی..... یہ ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ ٹیکسی سے نیچے اتری تھی۔ اس نے ٹیکسی والے کو پیسے ادا کیے تھے۔ اور پھر وہ اس گھر کو دیکھنے لگی تھی جس کے باہر وہ اتری تھی۔ گیٹ کے ساتھ والے ستون پر بستامی بابا کا نام لکھا ہوا تھا۔ گھر کی بیرونی دیوار کافی اونچی اور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ جس سے گھر کی کل اراضی کا اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ دیوار کے ساتھ ساتھ بہت سی اقسام کے پودے لگے ہوئے تھے۔ جن کی کانٹ چھانٹ ماہر ہاتھوں نے کی ہوئی تھی۔ باریشہ تو کتنی دیر باہر کی نفاست اور سجاوٹ کو ہی دیکھتی رہی تھی۔ پھر ہمت کرتے ہوئے اس نے گیٹ کے

ساتھ نصب بیل کا بٹن دبا دیا تھا۔
"جی..... کس سے ملنا ہے آپ کو.....؟ چھوٹا گیٹ کھول کر چوکیدار نے اس سے پوچھا تھا۔
"میں..... وہ مجھے بستامی بابا سے ملنا ہے۔"
"وہ تو اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔"
"گھر پر نہیں ہیں۔؟" وہ پریشان ہوئی تھی۔ پھر جلد ہی اس نے ہمت سے کام لیا تھا۔ "میں..... بہت دو
سے آئی ہوں۔ باریشہ نام ہے میرا..... میں دین حویلی سے آئی ہوں۔ چاند نانو کی نواسی....."
"اچھا..... میں اندر جا کر بتا دیتا ہوں۔" چوکیدار کہہ کر اندر چلا گیا تھا۔ وہ باہر بے صبری سے اس کا انتظا
کرنے لگی تھی۔ اگر بات نہ بنی تو وہ کہاں جائے گی۔ نجانے بستامی بابا کہاں چلے گئے ہیں۔ اسے اپنی بھی
وقوفی کا احساس ہوا تھا کہ وہ بنا فون کیے کیوں چلی آئی تھی۔ اسے کم از کم ایک فون تو کر ہی دینا چاہیے تھا۔
لیکن اس کے خیالات کے برعکس تھوڑی دیر کے بعد ایک عورت باہر نکلی تھی۔
"باریشہ ہو تم.....؟ صندل کی بیٹی.....؟" عورت نے خوشگواریت سے پوچھا تھا۔ بات کرتے ہوئے اس
کے جسم پر موجود سارے ہی زیور کھنکھنائے تھے۔
"جی....."
"اندر آجاؤ..... باہر کیوں کھڑی ہو۔"
عورت کی تقلید میں وہ اندر داخل ہوئی تھی۔ اور اندر آ کر تو وہ دنگ ہی رہ گئی تھی۔ ایک ایک قدم اسے اس
گھر کے سحر میں مبتلا کرتا جا رہا تھا۔ وہ گھر تھا یا کسی بادشاہ کا محل..... وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ حویلی تو ان کی بھی
بہت بڑی تھی۔ لیکن اس گھر کی شان و شوکت، سجاوٹ کا تصور تو وہ خواب میں بھی نہیں کر سکتی تھی۔
"بیٹھو....." خاتون اسے بڑے سے ڈرائنگ روم میں لے کر چلی آئی تھی۔ وہ کچھ جھجکتے ہوئے صوفے
بیٹھ گئی تھی۔
"میرا نام کومل ہے۔ میں بستامی کی بیوی ہوں۔" کومل نے اپنا تعارف کروایا تھا۔ باریشہ مسکرائی تھی۔ و
عورت جو بستامی بابا کی بیوی تھی۔ اور یقیناً اسی کی ہم عمر ہوگی۔ کسی صورت عمر رسیدہ نہیں لگ رہی تھی۔ بلکہ وہ خو
سے نہ بتاتی کہ وہ بستامی کی بیوی ہے تو باریشہ نے اسے بستامی بابا کی بیٹی سمجھ لینا تھا۔
"کیا لو گی باریشہ..... پلیز..... تکلف مت کرنا..... جو دل کر رہا ہے بتا دو....."
"مجھے پانی کی طلب ہو رہی ہے۔"
"میں ابھی لاتی ہوں۔" کومل کہہ کر باہر چلی گئی تھی۔ پازیب پہنے، چھن چھن کرتے اس کے پاؤں کی
چھنکار دور جاتی سنائی دی تھی۔ باریشہ ڈرائنگ روم کو دیکھنے لگی تھی۔ جہاں کی ہر ہر چیز کم از کم پاکستان کی تو نہیں لگ
تھی۔ کسی نے بہت چاہت سے اس گھر کو سجایا تھا۔
کومل واپس لوٹی تو اس کے ہاتھ میں شربت تھا اور ساتھ ایک اور خاتون بھی تھی۔
"یہ ایمن ہے۔ رحبانی کی بیوی....." اسے شربت پکڑاتے ہوئے کومل نے بتایا تھا۔
"کون رحبانی.....؟" وہ کچھ نہیں سمجھی تھی۔
"تم رحبانی کو نہیں جانتیں....." ایمن نے پیار بھرے شکوے سے کہا تھا۔
"معذرت..... میں نہیں جانتی ہوں۔ مجھے تو بستامی بابا کا بھی اپنی دوست سے معلوم ہوا ہے۔"
"سمجھ سکتی ہوں۔ ہائے تمہاری نانو کی ہم لوگوں سے نفرت..... جسے ہم تو کبھی سمجھ ہی نہیں سکے۔" ایمن
گہرا سانس لیتے ہوئے کہا تھا۔

"خیر اب تم آ گئی ہو تو آہستہ آہستہ سب سمجھ جاؤ گی۔"
دونوں خاتون اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئی تھیں۔ اور وہ چپ چاپ سہمی ہوئی سی شربت پیتی رہی تھی۔
"سفر کیسا گزرا تمہارا.....؟"
"بہت اچھا....."
"کیا تم اپنی نانو کو بتا کر آئی ہو کہ تم یہاں آ رہی ہو۔؟"
"نہیں....."
"اگر تم بتانا چاہو تو فون کر کے بتا سکتی ہو۔"
"نہیں..... میں نہیں چاہتی کہ انہیں علم ہو۔"
"ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی..... آؤ میں تمہیں تمہارا کمرا دکھا دوں۔"
کومل نے اس سے کہا تھا۔ وہ اٹھی تھی اور پھر سے کومل کی تقلید میں گھر کے ایک حصے سے گزرتے ہوئے
دوسرے میں جانے لگی تھی۔
"یہ ہے تمہارا کمرا....."
کومل نے ایک کمرے کا دروازہ کھول دیا تھا۔ اور باریشہ کی آنکھیں چندھیاتے چندھیاتے رہ گئی تھی۔ وہ تو
کسی شہزادی کا کمرا تھا۔ یا اس گھر کا سب سے عالیشان کمرا.....
"بستامی اور رحبانی دونوں شہر سے باہر ہیں۔ دو تین روز میں آ جائیں گے۔ تب تک تم آرام سے ادھر
رہو..... کچھ چاہیے ہو تو مجھے بتا دینا۔ جب کچھ کھانے کو دل کرے تو بلا جھجک ملازم سے کہہ دینا۔ ٹھیک ہے۔"
"جی..... ٹھیک ہے۔"
کومل نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ اور وہ کمرے کو دیکھتے ہوئے بیڈ پر بیٹھی تھی۔
"اللہ..... کتنے اچھے ہیں یہ لوگ..... چاند نانو کیوں ان سب سے اتنی نفرت کرتی ہیں۔" بیڈ پر بیٹھی وہ
ایسی ہی باتیں سوچتی جا رہی تھی۔ جن کے سوال اسے آنے والے وقت میں ملنے والے تھے۔

☆☆☆

رات میں کھانا کھانے سے پہلے کومل نے اسے گھر کے کچھ مزید حصے دکھائے تھے۔ جن سے وہ بے حد متاثر
ہوئی تھی۔ اس پر کومل کا یہ جملہ کہ باقی حصے کل دیکھ لینا..... نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ یہ گھر آخر کتنا کو
بڑا ہے۔
پھر وہ دونوں وسیع ڈائننگ روم تک آئی تھیں۔ جہاں ایمن پہلے سے موجود دونوں کا انتظار کر رہی تھی۔ کھانا
بس تین افراد نے کھایا تھا۔ کومل، ایمن اور وہ خود.....
"آج کل سب ادھر ادھر ہیں۔ ورنہ یہاں بہت رش ہوتا ہے۔ یہ مت سمجھنا کہ بس تین لوگ ہوتے ہیں۔
یہاں تو اکثر کرسیاں کم پڑ جاتی ہیں۔" ایمن نے ہنستے ہوئے بتایا تھا۔
"تم کھانے میں کیا پسند کرتی ہو باریشہ.....؟"
"میں سب کچھ ہی کھا لیتی ہوں۔"
"پھر بھی بتا دینا..... کل تمہاری پسند کا کھانا بنوا لیں گے۔ تم سو رہی تھیں۔ اس لیے تم سے آج پوچھنا
مناسب نہیں سمجھا۔"
"جی..... شکریہ....." وہ دونوں کے پیار بھرے رویے پر فدا ہوئی جا رہی تھی۔
باقی کا کھانا خاموشی سے کھایا گیا تھا۔ کومل ایمن آپس میں تو باتیں کرتی رہی تھیں لیکن باریشہ کی جھجک کی وجہ

www.parhlo.com.pk

سے انہوں نے اسے مزید نہیں مخاطب کیا تھا۔
"تم کمرے میں جانا چاہتی ہو تو جا سکتی ہو۔" کھانے کے بعد کومل نے اس سے کہا تھا۔
"میں کچھ دیر لان میں ٹہلنا چاہتی ہوں۔"
"جیسے تم چاہو میری جان....."
کومل ایمن اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں اور وہ باہر لان میں نکل آئی تھی۔
اسلام آباد کی خنک راتوں میں لان کچھ زیادہ ہی خنک محسوس ہو رہا تھا۔ کیونکہ وہ کافی وسیع تھا اور وہاں بہت سے پودے درخت تھے۔ ٹہلتے ہوئے وہ نا چاہتے ہوئے بھی چاند نا کو سوچنے لگی تھی۔ گزرے ہوئے ایک ہی دن میں اسے اتنا سکون ملا تھا کہ وہ اپنی گزری ہوئی زندگی پر لعنت کرنے لگی تھی۔ کیا تھا وہاں حویلی میں..... سیاہ در و دیوار، ہر وقت ہاؤن دستے کی ٹھک ٹھک..... جو سر میں درد کر دیتی تھی۔ اور یہاں..... کتنا سکون تھا۔ معاشرے کے ساتھ چلتی ہوئی زندگی تھی۔ بلکہ ان سے بڑھ کر گزرتی ہوئی۔ اب اسے یہاں ہی رہنا تھا۔ ہر صورت..... اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔
"کون.....؟" اپنے پیچھے اسے ایک مردانہ آواز سنائی دی تھی تو وہ پیچھے پلٹی تھی۔ اور کچھ ڈر سی گئی تھی۔ پیچھے ایک نیلی آنکھوں والا معصوم سا لڑکا کھڑا تھا۔ وہ وہاں کسی مرد کی موجودگی کی توقع نہیں کر رہی تھی۔
"کون ہو تم.....؟"
"میں باریشہ ہوں۔؟"
"کون باریشہ.....؟"
"بستامی بابا کی رشتے دار ہوں۔"
"میں ان کے تمام رشتے داروں کو جانتا ہوں۔ تم کہاں سے ہو۔؟"
"میں دین حویلی سے ہوں۔"
"سمجھ گیا۔ میں سانول ہوں۔ رحمانی کا بیٹا....."
لڑکے نے اپنا تعارف کروایا تھا۔ باریشہ نے اسمائل پاس کی تھی۔ اس کے علاوہ وہ اور کیا کرتی۔ سانول اسے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں بے حیائی نہیں تھی بلکہ بچوں جیسی معصومیت تھی۔ جیسے اس نے ساری زندگی ایک کمرے میں گزار دی ہو اور آج ہی باہر نکلا ہو۔
"تمہیں پہلے بھی یہاں نہیں دیکھا۔"
"میں آج پہلی بار یہاں آئی ہوں۔"
"لیکن بستامی بابا اور میرے بابا تو دو تین دن شہر سے باہر ہی رہیں گے۔"
"میں اب یہاں ہی رہوں گی۔"
"گڈ....." باریشہ کی بات پر سانول خوش ہوا تھا۔ پھر چند لمحے سوچ میں گم رہا تھا کہ مزید کیا بات کرے۔
"میرے ساتھ کیرم کھیلو گی باریشہ....." سانول سے اس سے پوچھا تھا۔ باریشہ نے کچھ حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ وہ بے تکلف نہیں ہو رہا تھا۔ یہ تو اس کے چہرے پر لکھا ہوا تھا۔ وہ تو بس جیسے کسی کے ساتھ اچھا وقت بیتانا چاہتا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے آج پہلی بار اسے کوئی ہم عمر ٹکرایا ہو۔
"مجھے کیرم کھیلنا نہیں آتا....."
"میں سکھا دوں گا۔ آ جاؤ....." اسے لے کر وہ ایک بڑے سے کمرے میں آیا تھا۔
"یہ میرا پلے اسٹیشن ہے۔ یہاں میری ساری گیمز موجود ہیں۔" اس نے کہتے ہوئے کسی جگہ سے کیرم

بورڈ نکال لیا تھا۔ اور اسے زمین پر بچھا کر اس پر پاؤڈر ڈالنے لگا تھا۔ باریشہ کے لیے وہ سب نیا تھا۔
"یہ دیکھو..... گیم اسٹارٹ ہو گی ایسے....." اس نے ایک ہٹ ماری تھی اور ترتیب سے پڑی ہوئی ساری ہی گوٹیاں دائیں بائیں بکھر گئی تھیں۔
"اب تمہاری باری....."
باریشہ نے اس کی تقلید کرتے ہوئے ہٹ ماری تھی۔ سانول ہنسا تھا۔
"ناٹ بیڈ..... پہلی بار کے حساب سے ٹھیک ہے۔ بہت جلد سیکھ جاؤ گی۔" وہ پھر سے اپنی باری کھیلنے کے لیے بورڈ پر بکھری گوٹیوں کو دیکھنے لگا تھا۔
"سانول..... تم یہاں کیا کر رہے ہو۔" ایمن وہاں آئی تھی۔
"امی! میں اسے کیرم کھیلنا سکھا رہا ہوں۔"
"بہت رات ہو چکی ہے بیٹا..... سو جاؤ..... اسے بھی سونے دو۔ اس کے لیے ابھی اس گھر کا ماحول اجنبی ہے۔"
"امی! یہ میری کزن ہے۔ مجھ سے دوستی کرے گی تو اجنبیت دور ہو گی اس کی....." اس جوان نے کچھ آٹھ دس سال کے بچے کی طرح کہا تھا۔ باریشہ کو اس پر بے حد پیار آیا تھا۔
"ٹھیک ہے۔ تھوڑی دیر کھیل لو..... پھر باریشہ کو سونے دینا۔"
"جی..... جیسا آپ کہیں۔" اس نے رضامندی دے دی تھی۔
رضامندی دینے کے باوجود وہ دونوں رات گئے تک کیرم کھیلتے رہے تھے۔ باریشہ کیرم کھیلنے سے زیادہ اسے دیکھتی رہی تھی۔ اتنا معصوم انسان دیکھنے کا اتفاق اسے زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ معصوم انسان آنے والے وقت میں اس کی زندگی میں کیا تبدیلیاں لانے والا ہے۔

☆☆☆

چاند پر وہ رات بہت بھاری گزرنے والی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ آج کی رات اسے نیند نہیں آئے گی۔ بالآخر باریشہ بھی اسے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اب اس کے پاس کوئی نہیں تھا۔ سوائے بوڑھی آمنہ کے اور اس کے اپنے سائے کے.....
دین بابا، حاجی بوا..... تہمینہ پھوپھو، شکیلہ پھوپھو، زہرہ پھوپھو..... اُن کی بیٹیاں..... سب ہی تو اسے چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ اور صندل بھی..... کوئی بھی تو نہیں رہا تھا اس کے پاس..... اُجڑ جانے کا اتنا احساس تو انہیں ہندوستان سے پاکستان آتے وقت نہیں ہوا تھا جتنا اب ہو رہا تھا۔ کس نے حویلی میں اس بربادی کا بیج بویا تھا۔ ایسا بیج جس کی فصل نے سب تہس نہس کر دیا تھا۔
دُور..... بہت دُور اسے دروازے پر دستک دینے کی آواز سنائی دی تھی۔ بستامی اتاؤلا ہوا دروازہ پیٹ رہا تھا۔

☆☆☆

"صندل دروازہ کھولو....." کمرے کے باہر کھڑا بستامی کہہ رہا تھا۔ اور کمرے کے اندر دلہن بنی صندل، چاند اور میر زاد سہمے ہوئے کھڑے تھے۔
"تم لوگ دروازہ کیوں نہیں کھول رہے ہو۔" بستامی اتاؤلا ہو رہا تھا۔ چاند نے کچھ ہمت مجتمع کی تھی۔
"صندل تیار ہو رہی ہے بستامی..... تم کچھ دیر انتظار کرو ذرا....."
"جلدی کرو..... صندل سے کچھ ضروری بات کرنا ہے مجھے....."

"ٹھیک ہے۔" دروازے سے الگ ہو کر چاند میرزاد کے قریب ہوئی تھی۔
"اب کیا کرنے آئے ہو میر..... میری بیٹی کو انکار تو تم کر ہی چکے ہو۔ تو پھر اب کیا کرنے آئے ہو یہاں....."
"مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو چکا ہے چاند امی....."
"بہت دیر سے ہوا ہے۔"
"میں صندل کے بنا نہیں رہ سکتا۔ پلیز کچھ کریں۔"
"اب کچھ نہیں ہو سکتا میر....." چاند کے بجائے صندل نے کہا تھا۔
"کتنی دیر ہے چاند..... تم دروازہ کھولو..... کچھ ضروری بات کرنا ہے۔"
"میر..... تم پردے کے پیچھے چھپ جاؤ۔" چاند نے میر سے کہا تھا۔ میرزاد نے ایسا ہی کیا تھا۔ وہ پردے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ بوکھلائی ہوئی چاند نے گھبرائی ہوئی صندل کو بیڈ پر بٹھایا تھا۔ اور خود آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا تھا۔
"لڑکیوں کو تیار ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے بستامی....."
بستامی نے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ ہاتھ میں ایک کاغذ پکڑے صندل کے قریب ہوا تھا۔
"صندل! اس پر سائن کر دو۔"
"یہ کیا ہے۔ نکاح نامہ.....؟"
"نہیں..... لیکن اس سے پہلے میں کسی چیز کی گارنٹی چاہتا ہوں۔"
"کس چیز کی.....؟"
"کہ جس کے ساتھ صندل کو بیاہا جا رہا ہے۔ صندل اس کو ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کرے گی۔ کبھی اسے ناراض نہیں ہونے دے گی۔ کبھی شکایت کا موقع نہیں دے گی۔ اور جو مرضی ہو جائے۔ اس جگہ سے واپس نہیں آئے گی۔"
"اس کے لیے سائن کروانے کی کیا ضرورت ہے بستامی..... میں یہ سب باتیں اسے سمجھا چکی ہوں۔"
"مجھے بہت لوگوں نے دھوکا دیا ہے چاند..... اس لیے میں اب ہر کام لکھ پڑھ کر کرتا ہوں۔"
"صندل لوگ نہیں ہے۔ گھر کا فرد ہے۔"
"اس پر ایسا کچھ نہیں لکھا جس پر اعتراض کیا جائے۔ میں کوئی جائداد نام لگانے کو نہیں کہہ رہا ہوں۔ سائن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"
"لیکن....."
"ٹھیک ہے۔ میں کر دیتی ہوں۔" صندل نے رضامندی دے دی تھی۔ اور پھر بستامی سے کاغذ پکڑ کر اس پر سائن کر دیے تھے۔
"تمہیں بھی وعدہ دینا ہوگا چاند..... کہ اگر صندل نے اپنے حلف کی پاسداری نہیں کی تو پھر تم اس کی طرف داری نہیں کرو گی۔"
"نہیں کروں گی۔"
بستامی کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی۔ اب وہ ہر طرح سے مطمئن ہو چکا تھا۔
"میں باہر جا کر نکاح کے انتظام دیکھتا ہوں۔" بستامی باہر چلا گیا تھا۔
چاند نے دروازے کو پھر سے بند کر دیا تھا۔ میرزاد کو پردے کے پیچھے سے نکال لیا گیا تھا۔

"اب کیا ہوگا۔ بستامی بابا نے تو صندل سے سائن کروا لیے ہیں۔" میرزاد پریشان تھا۔ پردے کے پیچھے کھڑا وہ سب سن چکا تھا۔
"تم جاؤ میر..... تمہارے لیے اب یہاں کچھ نہیں ہے۔" صندل نے آنسو چھپاتے ہوئے کہا تھا۔ "میں بستامی بابا کو حلف دے چکی ہوں۔"
"ایسے مت کہو صندل....."
"جو بھی کہہ رہی ہوں تم سے مایوس ہونے کے بعد کہہ رہی ہوں۔"
"مجھے معاف کر دو۔ میں خود اپنی شادی چھوڑ کر آ رہا ہوں۔"
"کیا.....؟" چاند کو حیرت ہوئی تھی۔
"ہاں..... آج میرا نکاح تھا۔ تانیہ کے ساتھ..... اب میں واپس نہیں جا سکتا ہوں۔ میں ساری کشتیاں جلا کر آیا ہوں۔ صندل کے لیے....."
"پھر تم دونوں کے پاس ایک ہی حل ہے۔"
"وہ کیا.....؟"
"یہاں سے بھاگ جاؤ....."
"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں چاند امی....."
"اس کے علاوہ کچھ نہیں کیا جا سکتا صندل..... بستامی کو راضی نہیں کیا جا سکتا ہے۔"
"لیکن نیچے میری بارات آ چکی ہے۔"
"وہ سب میں سنبھال لوں گی۔ تم دونوں جاؤ....." چاند نے کہا تھا اور پھر جلدی جلدی سے الماری میں سے سونا موتی نکال کر ایک پوٹلی میں ڈالنے لگی تھی۔
"حویلی کی بہت بے عزتی ہو جائے گی۔"
"کچھ نہیں ہوگا۔ میری بیٹی کی خوشی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔"
"بستامی بابا آپ سے سخت ناراض ہو جائیں گے۔"
"وہ سب میں دیکھ لوں گی۔ تم میرزاد کے ساتھ جاؤ....."
چاند کے کہنے کے باوجود صندل بت بنی کھڑی تھی۔
"میر..... اسے لے کر نکلو تم..... کھڑکی کے ہی راستے....."
"چلو صندل....." اور میرزاد کے ساتھ چلنے سے پہلے صندل نے چاند کو گلے سے لگا لیا تھا۔ وہ رونے لگی تھی۔
"آپ کا شکریہ چاند امی..... میں واقعی ہی میر کے علاوہ کسی کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی تھی۔"
"جانتی ہوں تم صرف میرزاد کے ساتھ ہی خوش رہ سکتی ہو۔ جاؤ اس کے ساتھ..... خدا نے چاہا تو جلد ملاقات ہوگی۔"
میرزاد نے پہلے اسے کھڑکی سے باہر نکالا تھا۔ پھر چاند کو شکریہ کی نظر سے دیکھتا ہوا خود بھی کھڑکی سے نیچے اتر گیا تھا۔ چاند نے دل ہی دل میں انہیں بہت سی دعائیں دی تھیں۔ پھر گہرا سانس بھرتے ہوئے اپنے اعصاب کو نارمل کیا تھا۔ اور پھر کمرے کا دروازہ کھول دیا تھا۔

☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

www.parhlo.com.pk

PARHLO PAKISTAN

اب آپ ہر قسم کے ناول ہماری ویب سائٹ سے مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہماری ویب سائٹ ناولز راہٹرز کے لئے آفر بھی دیتی ہے۔ اگر آپ لکھنے کے شائق ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ آپ کے ناولز کے کے علاوہ ناول کے بہترین ہونے پر آپ کو کیش پرائز بھی دیں گے

ابھی اپنا ناول EMAIL کریں اور اپنے لکھاری ہونے کا فائدہ اٹھائیں۔

WHATSAPP GROUP : 0318-9992829

PARHLO.COM.PK@GMAIL.COM